ISSN: 2959-2224 (Online) and 2959-2216 (Print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/uas/index
Publisher by: Department of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.

قصہ موسی وخضر میں پوشیدہ دروس اور عبرتیں: سورہ کہف کے تناظر میں

Admonitions in the Narrative between Prophet Mūsā and al-Khiḍr: In the Light of Sūrah Kahf

Dr. Fazal Wadood*
Associate Professor of Islamic Study, Higher Education Department KP.
Email: fazalwadood2030@gmail.com

Abstract:
The Qur'ānic account of the meeting between Prophet Mūsā (ʿalayhi al-salām) and al-Khiḍr, as mentioned in Sūrat al-Kahf (18:60–82), contains profound lessons of guidance, patience, and humility in the pursuit of knowledge. Prophet Mūsā, one of the Ulu'l-ʿAzm (the resolute messengers) and the one honored with direct speech from Allah (Kalimullāh), was divinely guided to seek knowledge from al-Khiḍr, whom Allah had granted special wisdom. Although scholars have differed on certain details regarding al-Khiḍr's identity, such discussions are secondary to the central moral and spiritual lessons emphasized in the Qur'ān. The narrative illustrates that Allah alone is All-Knowing and that His wisdom may transcend human understanding. From this story, believers learn the importance of patience in the face of trials, trust in Allah's divine plan, and the recognition that apparent hardships may conceal greater wisdom and mercy. Furthermore, the encounter highlights the virtue of seeking truth with humility and caution, rather than hastily following assumptions or unfounded claims.

Keywords: Prophet Mūsā, al-Khiḍr, Sūrat al-Kahf, Patience, Divine Wisdom, Pursuit of Knowledge

تعارف:

قصۂ موسیٰ وخضر سورۂ کہف کی ان آیات میں بیان ہوا ہے جو نہ صرف انبیاءِ کرام کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو واضح کرتی ہیں بلکہ معرفتِ الٰہی اور فہمِ تقدیر کے نہایت نازک پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتی ہیں۔ یہ واقعہ دراصل ایک تعلیمی و تربیتی پس منظر رکھتا ہے جس میں صبر، تحمل، عاجزی اور حقیقتِ علم کی جستجو جیسے مضامین نمایاں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام، جو اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں اور جنہیں براہِ راست کلامِ الٰہی کا شرف حاصل ہوا، ایک خاص حکمتِ الٰہی کے تحت حضرت خضر علیہ السلام کی رفاقت میں لائے گئے تاکہ انسانی عقل اور وحی کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا جاسکے۔ قرآنِ مجید نے ان واقعات کو محض قصہ گوئی کے لیے بیان نہیں کیا بلکہ مومنین کے لیے ان میں گہرے دروس اور عبرتیں پوشیدہ ہیں۔ ان اسباق میں سب سے نمایاں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و علم ہر شے پر محیط ہے اور انسانی عقل اپنی محدودیت کے باعث ہمیشہ اس کے فیصلوں کو نہیں پاسکتی۔ چنانچہ یہ واقعہ ایک مومن کو

* Email of corresponding author: fazalwadood2030@gmail.com

سکھاتا ہے کہ مصائب و مشکلات میں صبر اختیار کرے، تقدیرِ الٰہی پر اعتماد رکھے اور علم کی تلاش میں عاجزی و انکساری کے ساتھ قدم بڑھائے۔ اس موضوع پر تحقیق کی اہمیت درج ذیل وجوہ سے ظاہر ہوتی ہے:

1) یہ قصہ قرآن اور سنت مطہرہ سے ثابت ہے، نہ یہ کوئی خیالی قصہ ہے اور نہ یہ غیر معتمد مصدر سے ماخوذ ہے۔
2) اس میں قصہ میں بہت عبرتیں اور نصیحتیں پوشیدہ ہیں۔
3) اس قصے کا تعلق بہت بڑے پیغمبر سے ہے جو کلیم اللہ ہے جسے اہل دنیا موسیٰ کے نام سے پہنچانتی ہے۔

موضوع کو اختیار کرنے کے حسب ذیل اسباب بیان کیے جاسکتے ہیں:

1. اس موضوع کو اختیار کرنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس میں موجود عبرتوں اور نصیحتوں کو نکال کر قاری کے سامنے عام استفادہ کے لیے رکھا جائے۔
2. حیات خضر اور موت خضر کے بارے میں دلائل کا جائزہ اور قول محقق کو بیان کرنا۔

قصہ خضر و موسیٰ میں قرآنی نصوص بمع اردو ترجمہ حسبِ ذیل ہیں:

وإذ قال موسى لفتاه لا أبرح حتى أبلغ مجمع البحرين أو أمضي حقبا (60) فلما بلغا مجمع بينهما نسيا حوتهما فاتخذ سبيله في البحر سربا (61) فلما جاوزا قال لفتاه آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا (62) قال أرأيت إذ أوينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت وما أنسانيه إلا الشيطان أن أذكره واتخذ سبيله في البحر عجبا (63) قال ذلك ما كنا نبغ فارتدا على آثارهما قصصا (64) فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما (65) قال له موسى هل أتبعك على أن تعلمن مما علمت رشدا (66) قال إنك لن تستطيع معي صبرا (67) وكيف تصبر على ما لم تحط به خبرا (68) قال ستجدني إن شاء الله صابرا ولا أعصي لك أمرا (69) قال فإن اتبعتني فلاتسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا (70) فانطلقا حتى إذا ركبا في السفينة خرقها قال أخرقتها لتغرق أهلها لقد جئت شيئا إمرا (71) قال ألم أقل إنك لن تستطيع معي صبرا (72) قال لا تؤاخذني بما نسيت ولا ترهقني من أمري عسرا (73) فانطلقا حتى إذا لقيا غلاما فقتله قال أقتلت نفسا زكية بغير نفس لقد جئت شيئا نكرا (74) قال ألم أقل لك إنك لن تستطيع معي صبرا (75) قال إن سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني قد بلغت من لدني عذرا (76) فانطلقا حتى إذا أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا أن يضيفوهما فوجدا فيها جدارا يريد أن ينقض فأقامه قال لو شئت لاتخذت عليه أجرا (77) قال هذا فراق بيني وبينك سأنبئك بتأويل ما لم تستطع عليه صبرا (78) أما السفينة فكانت لمساكين يعملون في البحر فأردت أن أعيبها وكان وراءهم ملك يأخذ كل سفينة غصبا (79) وأما الغلام فكان أبواه مؤمنين فخشينا أن يرهقهما طغيانا وكفرا (80) فأردنا أن يبدلهما ربهما خيرا منه زكاة وأقرب رحما (81) وأما الجدار فكان لغلامين يتيمين في المدينة وكان تحته كنز لهما وكان أبوهما صالحا فأراد ربك أن يبلغا أشدهما ويستخرجا كنزهما رحمة من ربك وما فعلته عن أمري ذلك تأويل ما لم تسطع عليه صبرا (82) ۔[1]

جب کہ موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچوں، خواہ مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔ جب وہ دونوں دریا کے سنگم پر پہنچے، وہاں اپنی مچھلی بھول گئے جس نے دریا میں سرنگ جیسا اپنا راستہ بنالیا۔ جب یہ دونوں وہاں آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ لا ہمارا کھانا دے ہمیں تو اپنے اس سفر سے سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس نے جواب دیا کہ کیا آپ نے دیکھا بھی؟ جب کہ ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان نے ہی مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔ اس مچھلی نے ایک انوکھے طور پر دریا میں اپنا راستہ بنالیا۔ موسیٰ نے کہا یہی تھا جس کی تلاش میں ہم تھے چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے واپس لوٹے۔ پس ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا، جسے ہم نے اپنے پاس کی خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا۔ اس سے موسیٰ نے کہا کہ میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے اس نیک علم کو سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس نے کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کو آپ نے اپنے علم میں نہ لیا ہو اس پر صبر بھی کیسے کر سکتے ہیں۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور کسی بات میں، میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اس نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ ہی چلنے پر اصرار کرتے ہیں تو یاد رہے کسی چیز کی نسبت مجھ سے کچھ نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کی نسبت کوئی تذکرہ نہ کروں۔ پھر وہ دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک کشتی میں سوار ہوئے، تو اس نے کشتی کے تختے توڑ دیئے، موسیٰ نے کہا کیا آپ اسے توڑ رہے ہیں تا کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں، یہ تو آپ نے بڑی (خطرناک) بات کر دی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھول پر مجھے نہ پکڑیئے اور مجھے اپنے کام میں تنگی میں نہ ڈالیے۔ پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ ایک لڑکے کو پایا، اس نے اسے مار ڈالا، موسیٰ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے عوض مار ڈالا؟ بے شک آپ نے تو بڑی ناپسندیدہ حرکت کی۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ہمراہ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا اگر اب اس کے بعد میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو بیشک آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، یقیناً آپ میری طرف سے (حد) عذر کو پہنچ چکے۔ پھر دونوں چلے ایک گاؤں والوں کے پاس آ کر ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی مہمانداری سے صاف انکار کر دیا، دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا ہی چاہتی تھی، اس نے اسے ٹھیک اور درست کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔ اس نے کہا بس یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان، اب میں تجھے ان باتوں کی اصلیت بھی بتا دوں گا جس پر تجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ کشتی تو چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے اس میں کچھ توڑ پھوڑ کرنے کا ارادہ کر لیا کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو جبراً ضبط کر لیتا تھا۔ اور اس لڑکے کے

ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں یہ انہیں اپنی سرکشی اور کفر سے عاجز و پریشان نہ کر دے۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ انہیں ان کا پروردگار اس کے بدلے اس سے بہتر پاکیزگی والا اور اس سے زیادہ محبت اور پیار والا بچہ عنایت فرمائے۔ دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس شہر میں دو یتیم بچے ہیں جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آکر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں، میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا)، یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

احادیث نبویہ

ہم سے علی بن عبد اللہ مدینی نے بیان کیا' کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا' کہا ہم سے عمرو بن دینار نے بیان کیا' کہا کہ مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی' انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ نوف بکالی یہ کہتا ہے کہ موسیٰ' صاحب خضر بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں بلکہ وہ دوسرے موسیٰ ہیں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ دشمن اللہ نے بالکل غلط بات کہی ہے۔ ابی بن کعبؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو کھڑے ہو کر خطاب فرما رہے تھے کہ ان سے پوچھا گیا کون سا شخص سب سے زیادہ علم والا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ انہوں علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ کیوں نہیں میرا ایک بندہ ہے جہاں دو دریا آکر ملتے ہیں وہاں رہتا ہے اور تم سے زیادہ علم والا ہے۔ انہوں نے عرض کیا: اے رب العالمین! میں ان سے کس طرح مل سکوں گا؟ سفیان نے (اپنی روایت میں یہ الفاظ) بیان کئے کہ "اے رب! « وکیف لي به » "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی پکڑ کر اسے اپنے تھیلے میں رکھ لینا' جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس میرا بندہ وہیں تم کو ملے گا۔ بعض دفعہ راوی نے (بجائے « فهو ثم » کے) « فهو ثمه » کہا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی لے لی اور اسے ایک تھیلے میں رکھ لیا۔ پھر وہ اور ایک ان کے رفیق سفر یوشع بن نون روانہ ہوئے' جب یہ چٹان پر پہنچے تو سر سے ٹیک لگالی' موسیٰ علیہ السلام کو نیند آگئی اور مچھلی تڑپ کر نکلی اور دریا کے اندر چلی گئی اور اس نے دریا میں اپنا راستہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور وہ محراب کی طرح ہو گئی' انہوں نے واضح کیا کہ یوں محراب کی طرح ۔ پھر یہ دونوں اس دن اور رات کے باقی حصے میں چلتے رہے' جب دوسرا دن آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر سے فرمایا کہ اب ہمارا کھانا لاؤ کیونکہ ہم اپنے سفر میں بہت تھک گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت تک کوئی تھکان محسوس نہیں کی تھی جب تک وہ اس مقررہ جگہ سے آگے نہ بڑھ گئے جس کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا۔ ان کے رفیق نے کہا کہ دیکھئے تو سہی جب چٹان پر اترے تھے تو میں مچھلی (کے متعلق کہنا) آپ سے بھول گیا اور مجھے اس کی یاد سے شیطان نے غافل رکھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی کی تو ہمیں تلاش ہے چنانچہ یہ بزرگ اسی راستے سے پیچھے کی طرف لوٹے اور خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان دونوں کے ہی وہ حالات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ (2)

مطلب اول: حضرت خضر، نام، نسب، وجہ تسمیہ

حضرت خضر کا نام کیا تھا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام ایلیاء بن ملکان ابن نافع ابن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھے، یہ ابن منبہ کا قول ہے۔

کچھ کا کہنا ہے کہ اس کا نام یسع تھا۔ کچھ نے کہا ہے کہ اس کا نام خضر بن عامیا تھے۔ کچھ کا کہنا ہے کہ ان کا نام ابن عامیل بن سماکین بن اربابن علقما بن عیصوا ابن اسحاق تھے۔[3]

ابن حجر نے حضرت خضر کے نسب کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کی ہے۔ ایک یہ کہ خضر حضرت آدم علیہ السلام کا صلبی بیٹا تھا۔ دوم یہ کہ خضر قابیل بن آدم کا بیٹا تھا۔ سوم یہ کہ خضر حضرت ہارون علیہ السلام کے نواسے تھے۔ چہارم یہ کہ خضر فرعون کے بیٹے یا بیٹی کا بیٹا تھا۔[4] مگر یہ تمام اقوال ضعیف ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام کا نام خضر (سرسبز و شاداب) اس لئے مشہور ہوا کہ وہ ایک خشک گھاس پر بیٹھے تو یکایک وہ زمین ان کے پیچھے سے لہلہانے لگی اور وہاں سبزا پیدا ہو گیا۔[5]

مطلب دوم: نبوت خضر علیہ السلام

کیا خضر اللہ کے نبی تھے؟ اس کے بارے میں علماء کے درج ذیل اقوال ہیں:

امام نووی نے علامہ ماوردی سے تین اقوال نقل کی ہے۔ ایک وہ نبی تھے۔ دوسرا وہ ولی تھے۔ تیسرا وہ فرشتہ تھے۔ پھر کہا ہے کہ تیسرا قول غریب اور باطل ہے۔[6] فخر الدین رازی کا قول ہے کہ: اکثر علماء کے نزدیک یہ بندہ اللہ کے نبی تھے۔[7]

1- اللہ کا یہ فرمان: (فوجدا عبدا من عبادنا آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما[8])- انہوں نے ایک بندے کو پایا ہمارے بندوں میں سے، ہم نے جسے پانے پاس سے رحمت عطا کی تھی، اور اسے اپنی طرف سے علم سکھا تھا۔

2- اللہ کا یہ قول: (قال له موسى هل أتبعك على أن تعلمن مما علمت رشدا[9])- اس سے موسیٰ نے کہا: کیا میں تیرے ساتھ چلوں تا کہ تو مجھے سکھادے وہ دانشمندی تو جو تجھ کو سکھائی گئی ہے۔

اگر خضر علیہ السلام نبی نہیں تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے اس طرح مکالمہ کبھی نہیں کرتے۔

3- حضرت خضر کا غلام کو قتل کرنا اس کی نبوت کی کھلی دلیل ہے کیونکہ اس طرح وحی کی بنیاد پر ممکن ہے۔ ولی اس طرح اقدام اپنی ذہنی اختلاج کے بل بوتے پر نہیں کر سکتا۔

4- حضرت خضر کا قصہ کے آخر میں یہ تصریح کہ (وما فعلته عن أمري[10]) - یہ سب کچھ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

سنت نبوی سے دلیل:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان جس کو بخاری نے روایت کیا ہے: (يرحم الله موسى لوددنا لو صبر حتى يقص علينا من أمرهما[11])-

2- حضرت خضر نے جب غلام کو قتل کیا تو اس نے اس کی وجہ یہ بتائی: (وأما الغلام فطبع يوم طبع كافرا[12]). اسی طرح وثوق سے غلام کے بارے میں بات کرنا وحی کے طریق ہی سے ممکن ہے۔

نووی نے مفسر ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ خضر ایک معمر نبی تھے۔[13]

امام رازی کہتے ہیں: اکثر علماء کا کہنا ہے کہ یہ بندہ نبی تھے۔[14]

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ: قصہ کے سیاق اس پر دلالت کرتی ہے کہ خضر نبی تھے۔[15]

ابو حیان اندلسی رقمطراز ہے: جمہور اہل علم کے نزدیک خضر نبی تھے، اور وہ بذریعہ وحی باطنی امور کے اور حضرت موسی علیہ السلام ظاہری امور کے عالم تھے۔[16]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: حضرت خضر کا یہ کہنا(وما فعلته عن أمري) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خضر نے اس کام کو اللہ کے حکم سے کیا ہے بغیر کسی واسطے کے۔ اس میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ خضر نے اس کام کو بواسطہ کسی دوسرے نبی کے کیا ہو مگر یہ احتمال بعید ہے۔ نہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ الہام تھا کیونکہ علاوہ نبی کوئی بھی الہام کی وجہ سے کسی نفس کو قتل یا ڈوبنے کی حد تک دھکیل نہیں کر سکتا۔[17]

معاصر علماء میں سے علامہ شنقیطی نے حضرت خضر کے بارے میں علماء کا اختلاف بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ظاہر بات یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور آیت میں مذکورہ رحمت سے مراد نبوت ہے اور علم لدنی سے مراد وحی ہے جو نبی کی طرف آتی ہے۔[18]

دوسرا قول: خضر علیہ السلام ولی یا رجل صالح تھے۔

صوفیہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ خضر علیہ السلام ایک ولی تھے۔ یہ قول حنابلہ میں سے ابو علی بن ابی موسی اور اسی طرح ابو بکر الانباری کا ہے۔ ابو القاسم القشیری کہتا ہے: وہ نبی نہیں تھے بلکہ ایک ولی تھے۔[19]

ابن حجر کا کہنا ہے: کچھ اکابر علماء کہتے تھے کہ زنادقہ اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ خضر ولی ہی ہے کیونکہ زنادقہ کے ہاں ولایت کا درجہ نبوت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔[20]

شارح عقیدۃ طحاویہ رقمطراز ہے: یہ جو قصہ موسی اور خضر سے متعلق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ ان دونوں کے ساتھ علم لدنی تھا اور وہ وحی سے مستغنی تھے تو ملحد اور زندیق ہے۔[21]

ابن الانباری لکھتے ہیں: خضر اللہ کے نیک بندوں میں سے ایک نیک بندہ تھے۔[22]

مفسر بغوی کا کہنا ہے کہ اکثر اہل علم کے ہاں خضر نبی نہیں تھے۔[23] مفسر قرطبی رقمطراز ہے: یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ خضر نبی تھے کیونکہ اس کے بارے میں وارد شدہ روایات اخبار احاد کے درجہ میں ہیں اور نبوت اخبار احاد سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، الیاس اور خضر تو بقید حیات ہیں اگر ان کو نبی مانا جائے تو پھر نبی اکرم ﷺ کے بعد نبی کا جواز ثابت ہو گا حالانکہ یہ باطل ہے۔[24]

معاصر علماء میں سے سعدی کا کہنا ہے کہ: خضر نبی نہیں تھے بلکہ ایک نیک آدمی تھے کیونکہ اللہ تعالی نے اس کی اطاعت وبندگی کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالی نے اس پر رحمت اور علم کا احسان کیا تھا۔ اللہ تعالی نے اس کے متعلق نبوت ورسالت کا ذکر نہیں کیا ہے اگر وہ نبی تھے تو اللہ اس کا ذکر ضرور کرتا۔[25]

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ کیا خضر نبی تھے یا ولی؟ دونوں کا احتمال موجود ہے لیکن نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ایک ولی تھے اور اللہ نے اسے کرامات سے نوازا تھا تاکہ پتہ چلے کہ موسی علیہ السلام ہر چیز کا عالم نہیں ہے۔[26]

اس باب میں بہتر قول ان علماء کا ہے جو خضر کے نبی ہونے کے قائل ہیں کیونکہ ان کے دلائل مضبوط ہیں اور ان کے نبی نہ ہونے کے دلائل ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مبحث سوم: حیات ووفات حضرت خضر علیہ السلام

ابو الفرج ابن الجوزی فرماتے ہیں:

حضرت خضر کی وفات پر چار چیزیں دلیل ہیں۔ قرآن۔ سنت۔ محققین علماء کا اجماع۔ عقل وقیاس۔

قرآن کی شہادت: اللہ کا فرمان ہے(وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد[27]. پس اگر خضر زندہ ہوتے تو پھر اس کے لئے خلود لازم آتا ہے جو قرآن کی رو سے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے۔

سنت سے استدلال: عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أرأيتكم ليلتكم هذه فإن رأس مائة سنة منها لا يبقى ممن هو على الأرض أحد [28])-

بلاشبہ اس رات سے سو سال کے بعد جو لوگ (اس رات میں) روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہو گا۔

امام بخاری سے کسی نے خضر والیاس علیہما السلام کے زندہ ہونے کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ دووں زندہ ہیں؟ تو جواب میں کہا کہ یہ کس طرح ممکن ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: بلاشبہ اس رات سے سو سال کے بعد جو لوگ (اس رات میں) روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہو گا۔ [29]

ان کے فوت ہونے پر ابراہیم الحربی اور ابو الحسین بن المنادی نے بھی تصریح کی ہے اور یہ دونوں امام ہیں۔

قاضی ابو یعلی نے امام احمد سے ان کے کچھ اصحاب سے حضرت خضر کے فوت ہونے کی تصریح نقل کی ہے۔ اور کچھ اہل علم سے ان کے فوت ہونے پر یہ دلیل نقل کیا ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ ضرور نبی اکرم ﷺ کے مجلس میں حاضر ہوتے کیونکہ امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: اگر موسیٰ زندہ بھی ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے سوا کسی اور چیز کی اتباع جائز نہ ہوتی۔ [30]

جو حیات خضر کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ خضر حضرت آدم کے صلبی بیٹے تھے، مگر یہ دو وجوہ سے فاسد ہے:

أ- اس حساب سے خضر کی عمر 6000 سال بنتی ہے، اور یہ عادات سے بہت بعید بات ہے۔

ب- اگر اسے آدم کا بیٹا یا ذو القرنین کا وزیر مانا جائے تو پھر بات یہ ہے کہ وہ مخلوق ہم سے طول و عرض میں بہت مختلف تھے۔

ج- اگر خضر حضرت نوح سے پہلے تھے تو پھر وہ حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں ضرور سوار ہوتا، حالانکہ اس میں آج تک کسی سے کوئی نقل موجود نہیں ہے۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہیں کہ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترا تو ان کے ساتھ سوار سب مر گئے اور صرف نوح علیہ السلام کا نسل باقی رہ گیا، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (وجعلنا ذريته هم الباقين[31])- اور ان کے نسل کو ہم نے باقی رکھا۔ اس سے ان لوگوں کا کہنا باطل قرار دے دیا گیا جو کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے موجود تھے۔

حیات خضر اگر ثابت ہوتی تو اس پر قرآن، سنت اور اجماع سے مضبوط دلائل ہوتیں مگر حیات خضر پر ان مصادر سے کوئی دلیل نہیں ملتا۔ حیات خضر پر زیادہ قوی دلیل لوگوں سے منقول قصے ہیں جس میں ایک آدمی اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ اس نے حضرت خضر کو دیکھا ہے مگر یہ بہت تعجب کی بات ہے۔ کیا ایسی کوئی علامت یا نشانی موجود ہے جس سے خضر کو پہچانا جائے؟ بہت سے لوگ

اس سے دھوکہ کھاجاتے ہیں اگر کوئی اس سے کہے کہ میں خضر ہو مگر ایسے دعوی کرنے والے کی بات پر کیسا یقین کیا جائے جبکہ اللہ تعالی کی طرف سے اس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

حضرت خضر نے حضرت موسی سے جدائی کا راستہ اختیار کرلیا اور اس سے کہا (ھذا فراق بيني وبينك)۔ جب وہ موسی علیہ السلام سے جدا ہوا تو اس کے بعد کیا انہوں نے جاہلوں سے صحبت اختیار کرلیا تھا جو شریعت سے ناواقف تھے وہ جو نماز نہیں پڑھتے؟ یہ ممکن نہیں ہے اور شان خضر سے موافقت بھی نہیں رکھتی۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو بھی شخص خضر ہونے کا دعوی کرتا ہو اگر وہ یہ کہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ تو اس کی یہ بات دین میں کوئی حجت نہیں ہوگی اور نہ اس کی طرف کوئی التفات کیا جائے گا، نیز ابھی تک حضرت خضر کے سند سے ایک حدیث بھی مروی نہیں ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر وفات پاچکے ہیں۔[32]

8- اگر خضر علیہ السلام کو زندہ مانا جائے تو پھر اس کے لیے کفاروں سے جہاد، مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں پانچ وقتہ نماز، جمعہ اور عیدین، علم کے مجالس میں شرکت بنسبت صحراؤں میں گھومنے پھرنے سے زیادہ بہتر اور اعلی ہوتا۔[33]

مفسر قرطبی اور ابن الصلاح اور اسی طرح صوفیہ حضرات کے نزدیک حضرت خضر دجال کے قتل تک زندہ ہے۔ امام نووی رقمطراز ہے: اکثر علماء کے نزدیک وہ زندہ اور ہمارے درمیان موجود ہے اور اس پر صوفیہ اور اہل صلاح ومعرفت والوں کا اجماع ہے۔[34]

مفسر قرطبی نے اس حدیث (بلاشبہ اس رات سے سو سال کے بعد جو لوگ (اس رات میں) روئے زمین پر موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں ہوگا[35]) سے یہ جواب کیا ہے کہ اس سے حضرت خضر مستثنی ہے جس طرح کہ اس سے حضرت عیسی علیہ السلام مستثنی ہے۔

قائیلین حیات خضر علیہ السلام دلیل وہ حدیث ہے جسے دار قطنی نے ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: حضرت خضر کے لیے اجل موت میں تاخیر کی گئی یہاں تک کہ وہ دجال کو دیکھے اور اس کے تکذیب کرے۔ مگر اس حدیث سے استدلال ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح حدیث نہیں ہے۔ ابن کثیر کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منقطع غریب ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ اس میں رواد نامی راوی ضعیف، اور مقاتل متروک ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں ضحاک ابن عباس سے روایت نقل کرتا ہے اور ضحاک کا سماع ابن عباس سے ثابت نہیں ہے۔[36]

حیات خضر علیہ السلام کے بارے وارد شدہ روایات کی حقیقت۔

علامہ ابن القیم لکھتے ہیں: تمام وہ احادیث جو حیات خضر سے متعلق ہیں تمام جھوٹے روایات ہیں اور حیات خضر میں ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں ہے، مثلا یہ احادیث:۔ رسول اکرم ﷺ مسجد میں موجود تھے کہ پیچھے سے ایک آواز سنا، لوگ تفتیش کرنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں خضر موجود تھا۔ یہ حدیث کہ ہر سال خضر اور الیاس ملاقات کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث کہ عرفات کے میدان میں جبریل میکائیل اور خضر جمع ہوتے ہیں۔[37]

اس قسم کی احادیث کے ضعف کی طرف محدث ابن الجوزی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن حجر، اور جلال الدین سیوطی نے بھی اشارات کی ہیں۔[38]

اس باب میں قول مختار ان علماء کا قول ہے جو موت خضر کے قائل ہیں۔ اس کی چند وجوہات یہ ہیں:

1-کیونکہ یہ قول قرآن کے ظاہری آیات سے مطابقت رکھتاہے مثلاً اللہ کا یہ فرمان:(كل نفس ذائقة الموت[39])۔

2-موت خضر کے دلائل صحیح اور قوی ہیں اور حیات خضر کے بارے میں وارد شدہ روایات ضعیف ہیں۔

3-عقلی دلیل بھی موت خضر کا متقاضی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ضرور نبی اکرم ﷺ سے ملاقات کرتا اور اس ملاقات کو بہت شہرت ملتی، اسی طرح حضرت خضر ضرور رسول اکرم ﷺ سے احادیث نقل کرتے کیونکہ یہ تو بہت بڑی سعادت کی بات ہے مگر تاریخ تاحال اس سے خاموش ہے۔

مطلب چہارم: قصہ موسیٰ و خضر سے مستفاد دروس و عبرتیں

1-جب بھی کسی انسان سے ایسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے جس کے متعلق اسے علم نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ کہ کہے: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

2-جب مقصود معزز اور صاحب شرف ہو تو اس کی حصول کے لیے جدوجہد اور محنت کرنا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا:(وإذ قال موسى لفتاه لا أبرح حتى أبلغ مجمع البحرين أو أمضي حقبا[40])۔ اور جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ نہیں ٹھیرونگا میں حتی کہ پہنچ جاؤں سنگم پر دو دریاؤں کے خواہ چلتا رہوں میں برسوں۔

3-مقصود کی حصول کا پکا عزم وارادہ کرنا چاہئے اس کو پالینے کے لیے بہت زیادہ مشقت و تکلیف، یا زیادہ زمانہ اور وقت اس میں کیوں نہ لگے، کیونکہ موسیٰ نے کہا تھا(أو أمضي حقبا)۔ مفسر طبری نے عبد اللہ بن عمرو سے (حقبا) کی تفسیر نقل کیا ہے کہ اس سے مراد 80 سال کا زمانہ ہے۔[41]

4-سب اہم کام کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہئے جیسا کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کو تبلیغ چھوڑ کر کے طلب علم میں لگ گئے کیونکہ حصول علم سب سے مقدم چیز ہے۔

5-خادم اور تابع پر فتی کے اطلاق کا جواز اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے۔

6-موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور۔

7-زاد سفر اپنے ساتھ لے جانا مثلاً طعام و شراب، اور اسی طرح دوسری لوازمات۔

8-یہ مستحب ہے کہ عالم اپنے خادم کے ساتھ طعام میں شریک ہو جائے، کیونکہ (ءاتنا غدآءنا) سے ظاہر یہ ہے کہ یہ سب کے لیے ہے۔

9-انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ بمقتضی بشری ضرورت اپنی حاجت کا اظہار کرے جبکہ اس کی وجہ غصہ یا اللہ سے شکوہ نہ ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا(فلما جاوزا قال لفتاه آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا[42]).

پھر جب وہ دونوں چلے آگے تو کہا اس نے اپنے خادم سے لاؤ ہمارے پاس ہمارا ناشتہ۔ یقیناً ہمیں اس سفر سے تکلیف پہنچی ہے۔

10-یہ آیت(آتيناه رحمة من عندنا وعلمناه من لدنا علما۔[43]

حضرت خضر کی نبوت پر صریحی دلیل ہے، کیونکہ مفسرین کی تصریحات کے مطابق رحمت سے مراد نبوت ہے۔

11-مذکورہ بالا آیت کریمہ سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وہ علم جو اللہ کسی بندے کو عطا فرماتا ہے وہ دو قسم کے ہیں، ایک کسبی علم ہے جو طلب اور محنت سے حاصل کیا جاسکتا ہے، دوسرا وہبی علم جو اللہ تعالیٰ اسے کسی بندے کو بغیر کسب و مشقت کے بخشتا ہے۔

12-یہ قصہ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر کے سامنے عجز وانکسار کا مظہر ہے۔اور وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ نے حضرت سے کہا(على أن تعلمن مما علمت رشدا). تاکہ سکھادے تو مجھے وہ جو سکھائی گئی ہے تجھ کو دانشمندی۔

یہ حضرت موسیٰ کی طرف سے حضرت خضر کے علم اور فضیلت کا اقرار ہے، پھر اس آیت میں حرف "من" بعضیت کے لیے ہے مطلب حضرت موسیٰ نے خضر سے اس کے ساتھ علم میں مساوات کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ حضرت موسیٰ کا مدعا یہ تھا کہ خضر اسے علم کا کچھ حصہ دیں۔

13-علم کے وسائل میں سے اہم وسیلہ صبر بھی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ ہمیشہ کے لیے اس وجہ سے نہ رہا کہ حضرت موسیٰ نے صبر سے کام نہیں لیا،جو قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے(ذلك تأويل مالم تسطع عليه صبرا[44]). یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کرسکا۔

14- مستقبل میں جن کاموں کا ارادہ ہو تو ان کے متعلق إن شاء اللہ کہنا چاہئے،اللہ کا فرمان ہے(قال ستجدني إن شاء الله صابرا ولا أعصي لك أمرا[45]). اگر اللہ نے چاہا تو مجھے صابر پائے گے اور میں تیری کسی معاملہ میں نافرمانی نہیں کروں گا۔

15-آدمی کو ہر معاملہ میں نوعیت مسئلہ کی وضاحت اور تحقیق تک متانت سنجیدگی،تثبت کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے انکار میں جلدی سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

16-طالب علم کی مصلحت کی خاطر کبھی معلم کے لے طالب علم کے اوپر شدت بھی کرنا چاہئے کیونکہ اس میں طالب علم کے لیے نفع اور خیر ہوتا ہے۔حضرت خضر نے دوسری مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا(ألم أقلك) کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا۔اس اسلوب میں تھوڑی سے شدت ہے۔

17۔طالب علم کی مصلحت اس میں ہے کہ معلم اسے کہے کہ جب تک مقصود واضح نہ ہو چکا ہو تو اس وقت بیچ میں سوالات نہ کریں اور درمیان میں میرے باتوں کو نہ کاٹے،جس طرح خضر نے موسیٰ کے ساتھ یہ شرط لگایا تھا(قال فإن اتبعتني فلا تسألني عن شيء حتى أحدث لك منه ذكرا۔[46])اس نے کہا پس اگر تو چلنا چاہئے میرے ساتھ تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا یہاں تک کہ اس کا ذکر تجھ سے بیان کردوں۔

18-دریا میں سفر کرنے کا جواز بھی اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے اس اگر میں کوئی یقینی خطرہ موجود نہ ہو۔

19-اگر کسی سے حقوق اللہ یا حقوق العباد میں بھول چوک ہوجائے تو اس پر مؤاخذہ نہیں ہے الا یہ کہ اس سے کسی کا مال تلف ہوجائے تو پھر اس حال میں اس پر ضمان واجب ہو گا۔

20-حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام پر انکار کرنے میں معذور تھے کیونکہ حضرت خضر نے جو کام کئے وہ تمام خلاف عادت تھیں۔

21-جب کسی انسان کو دو مصیبتوں کا سامنا ہو تو اس میں سے وہ مصیبت اختیار کرلے جن کا نقصان اور ضرر کم ہو۔جیسا کہ حضرت خضر نے سفینہ کو پھاڑ دیا تھا تاکہ کشتی محفوظ رہے اور غلام کو قتل کروایا تھا تاکہ غلام اپنے والدین کو گمراہ نہ کرسکے۔

22-کسی مصلحت اور دفع مضرت کی خاطر مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں تصرف جائز ہے،جس طرح خضر نے کشتی پھاڑ دیا اور دیوار کو کھڑا کردیا۔

23-اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کی متعلم (حضرت موسی علیہ السلام) حسن ادب اور بہتر عذر کا مظہر تھا، موسی علیہ السلام نے کہا تھا(إن سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني قد بلغت من لدني عذرا(47))۔اس نے کہا اگر میں تجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں اس کے بعد تو مجھے ساتھ نہ رکھ اس کے بعد، یقیناتو میری طرف سے عذر کو پہنچ گیا ہے۔

خاتمہ ونتائج بحث

1) حضرت خضر علیہ السلام کے نام کی تعیین میں اختلافات ہیں۔اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت خضر نبی تھے یا ولی یا ایک نیک صالح آدمی، تاہم ان علماء کا قول دلیل کی بنیاد پر زیادہ قوی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے۔

2) حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر رونما ہونے والے واقعات معجزات تھے۔

3) حیات ووفات خضر علیہ السلام کا تعلق ایمانیات سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق فروعات دین سے ہے۔

4) اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ بقید حیات ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔اس میں ان علماء کا قول زیادہ وزنی ہے جو کہتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔کیونکہ حیات خضر میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے۔

5) یہ قصہ دروس اور عبرتوں سے بھر پور ہے، یہ قرآنی بیان ہے، اور یہ عام خیالی قصہ نہیں ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

6) طلاب علم کے لئے قصہ موسی وخضر میں بہت سی تعلیمات ہیں، مثلا طلب علم میں صبر کرنا، حصول علم میں مشقت اٹھانا، آداب حصول علم کا پاس رکھنا، استاد سے معذرت کرنا۔

All Rights Reserved © 2025 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات وحواشی

[1] القرآن الكريم، سورة الكهف 18: 60-82۔

The Qur'ān, Sūrat al-Kahf 18:60–82.

[2] محمد بن اسماعيل البخاريِ، الجامع الصحيح، (بيروت: دار ابن كثير، الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987)،كتاب العلم، رقم الحديث: 122۔

Muḥammad bin Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ (Beirut: Dār Ibn Kathīr, 3rd ed., 1407/1987), Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth no. 122.

[3] محمد بن جرير الطبرى، تاريخ الامم والملوک، (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1407)، 220/1؛ ابن الاثير،الكامل فى التاريخ، (بيروت: دار الكتب العلمية، 1415ھ)، 121/1؛ ابن جوزى، زاد المسير، (بيروت: المكتب الإسلامي، 1404)، 163/5؛ ابن كثير، تفسير القران العظيم، (بيروت: دار الفكر، 1414ھ/1994م)، 122/3۔ مگر ابن کثیر کا کہنا ہے: کہ خضر بلیلا ابن ملکان کا بیٹا تھا اور ابن کثیر نے اس کی نسبت ابن قتیبہ کو کیا ہے۔

Muḥammad bin Jarīr al-Ṭabarī, Tārīkh al-Umam wa-al-Mulūk (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 1st ed., 1407/1987), 1/220; Ibn al-Athīr, al-Kāmil fī al-Tārīkh (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 1415/1995), 1/121; Ibn al-Jawzī, Zād al-Masīr (Beirut: al-Maktab al-Islāmī, 1404/1983), 5/163; Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm (Beirut: Dār al-Fikr, 1414/1994),

3/122. But Ibn Kathīr said: Khidr was the son of Bilyā bin Malkān, and Ibn Kathīr attributed this opinion to Ibn Qutaybah.

[4] ابن حجر العسقلانی، الزهر النضر في حال الخضر، (نيو دلہی: مجمع البحوث الإسلامية، 1408ھ - 1988م)، ص 86۔ اسی طرح کے اقوال حافظ ابن کثیر نے بھی ذکر کیے ہیں۔ابن کثیر، البداية والنہاية، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، الطبعة الاولى، 1408 ھ - 1988 م)، 380/1۔

Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, al-Zahr al-Naḍr fī Ḥāl al-Khiḍr (New Delhi: Majmaʿ al-Buḥūth al-Islāmiyya, 1408/1988), p. 86. Similar statements are also mentioned by Ḥāfiẓ Ibn Kathīr in al-Bidāya wa-al-Nihāya. Ibn Kathīr, al-Bidāya wa-al-Nihāya (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1st ed., 1408/1988), 1/380.

[5] أحمد بن حنبل، المسند، (قاهرة: مؤسسة قرطبة)، 312/2۔

Aḥmad bin Ḥanbal, al-Musnad (Cairo: Muʾassasat Qurṭubah), 2/312.

[6] شرف الدين النووى، شرح صحيح مسلم، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية، 1392ھ)، 136/15۔135/15۔

Sharf al-Dīn al-Nawawī, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 2nd ed., 1392/1972), 15/135–136.

[7] الرازى، التفسير الكبير، (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1421ھ - 2000 م)، 126/21۔

al-Rāzī, al-Tafsīr al-Kabīr (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 1st ed., 1421/2000), 21/126.

[8] القرآن الكريم، سورة الكهف 18: 65۔

The Qur'ān, Sūrat al-Kahf 18:65.

[9] أيضاً، 18: 66۔65 ۔

ibid., 18:65–66.

[10] أيضاً، 18: 82۔

ibid., 18:82.

[11] محمد بن اسماعيل البخارى، الجامع الصحيح، كتاب العلم، رقم الحديث: 122؛ كتاب التفسير، رقم الحديث: 4450۔

Muḥammad bin Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth no. 122; Kitāb al-Tafsīr, ḥadīth no. 4450.

[12] مسلم بن حجاج القشيرى،الجامع الصحيح، (بيروت: دار الجيل) كتاب الفضائل، رقم حديث: 6315۔

Muslim bin Ḥajjāj al-Qushayrī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ (Beirut: Dār al-Jīl), Kitāb al-Faḍāʾil, ḥadīth no. 6315.

[13] شرف الدين النووى، شرح صحيح مسلم، 136/15۔

Sharf al-Dīn al-Nawawī, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim, 15/136.

[14] الرازى، التفسير الكبير، 148/21۔

al-Rāzī, al-Tafsīr al-Kabīr, 21/148.

[15] ابن كثير، البداية والنہاية، 328/1۔

Ibn Kathīr, al-Bidāya wa-al-Nihāya, 1/328.

[16] ابوحيان، البحر المحيط، (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1422 ھ - 2001 م)، 139/6۔

Abū Ḥayyān, al-Baḥr al-Muḥīṭ (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya, 1st ed., 1422/2001), 6/139.

[17] ابن حجر العسقلانى، الإصابة في تمييز الصحابة، (بيروت: دار الجيل، 1412ھ)، 288/2۔

Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, al-Iṣāba fī Tamyīz al-Ṣaḥāba (Beirut: Dār al-Jīl, 1412/1992), 2/288.

[18] محمد امين الشنقيطي،أضواء البيان في تفسير القرآن بالقرآن، (بيروت: دار الفكر، 1415 ھ- 1995 م)، 323/3-326۔

Muḥammad Amīn al-Shinqīṭī, Aḍwāʾ al-Bayān fī Tafsīr al-Qurʾān bi-al-Qurʾān (Beirut: Dār al-Fikr, 1415/1995), 3/323–326.

[19] شرف الدين النووى، شرح صحيح مسلم، 136/15۔

Sharf al-Dīn al-Nawawī, Sharḥ Ṣaḥīḥ Muslim, 15/136.

[20] ابن حجر العسقلانى، الإصابة في تمييز الصحابة، 2\288۔

Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, al-Iṣāba fī Tamyīz al-Ṣaḥāba, 2/288.

[21] ابن ابي العز، شرح العقيدة الطحاوية، ص 512۔

Ibn Abī al-ʿIzz, Sharḥ al-ʿAqīda al-Ṭaḥāwiyya, p. 512.

[22] ابن الانبارى، الزاهر في معاني كلمات الناس، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1412 هـ-1992)، 2\125۔

Ibn al-Anbārī, al-Zāhir fī Maʿānī Kalimāt al-Nās (Beirut: Muʾassasat al-Risāla, 1412/1992), 2/125.

[23] البغوي، معالم التزيل، (الرياض: دار السلام، الطبعة الأولى، 1416هـ)، 5\189۔

al-Baghawī, Maʿālim al-Tanzīl (Riyadh: Dār al-Salām, 1st ed., 1416/1996), 5/189.

[24] القرطبى،الجامع لاحكام القرآن، (الرياض: دار عالم الكتب،الطبعة الاولى، 1423 هـ/ 2003 م)، 11 /28،29۔

al-Qurṭubī, al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān (Riyadh: Dār ʿĀlam al-Kutub, 1st ed., 1423/2003), 11/28–29.

[25] السعدى، تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان، ص 485۔

al-Saʿdī, Tayseer al-Karīm al-Raḥmān fī Tafsīr Kalām al-Manān, p. 485.

[26] تفسير سورة الكهف للشيخ عثيمين، ص 112۔

Tafsīr Sūrat al-Kahf by al-ʿUthaymīn, p. 112.

[27] القرآن الكريم، سورة الأنبياء 21: 34۔

The Qur'ān, Sūrat al-Anbiyāʾ 21:34.

[28] محمد بن اسماعيل البخارى، الجامع الصحيح، كتاب العلم، رقم الحديث: 116۔

Muḥammad bin Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth no. 116.

[29] أيضاً۔

ibid.

[30] أحمد بن حنبل، المسند، 387/3؛ أبويعلى، المسند، (دمشق: دار المأمون، الطبعة الأولى، 1404هـ)، 102/4۔ اس میں مجالد بن سعید ایک ضعیف راوی ہے۔ مسند احمد کے محقق شعیب الآرنووط اور مسند ابی یعلی کے محقق حسین سلیم اسد دونوں نے اس کو اسی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

Aḥmad bin Ḥanbal, al-Musnad, 3/387; Abū Yaʿlā, al-Musnad (Damascus: Dār al-Maʾmūn, 1st ed., 1404/1984), 4/102. This narration contains Mujālid bin Saʿīd, a weak narrator. Shuʿayb al-Arnaʾūṭ (editor of Musnad Aḥmad) and Ḥusayn Salīm Asad (editor of Musnad Abī Yaʿlā) both declared it weak for this reason.

[31] القرآن الكريم، سورة الصافات 37: 77۔

The Qur'ān, Sūrat al-Ṣāffāt 37:77.

[32] ابن القيم، المنار المنيف،طبع مكتب المطبوعات الإسلامية بحلب1403هـ1\76۔

Ibn al-Qayyim, al-Manār al-Munīf (Aleppo: Maktab al-Maṭbūʿāt al-Islāmiyya, 1403/1983), 1/76.

[33] أيضاً۔

ibid.

[34] نووي، تهذيب الأسماء واللغات، (بيروت: دار الفكر، الطبعة الأولى)، 1\177؛ القرطبى، الجامع لأحكام القران، 11\41۔

al-Nawawī, Tahdhīb al-Asmāʾ wa-al-Lughāt (Beirut: Dār al-Fikr, 1st ed.), 1/177; al-Qurṭubī, al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān, 11/41.

[35] محمد بن اسماعيل البخارى، الجامع الصحيح، كتاب العلم، رقم الحديث: 116۔

Muḥammad bin Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-ʿIlm, ḥadīth no. 116.

[36] ابن كثير، البداية والنهاية، 326/1۔

Ibn Kathīr, al-Bidāya wa-al-Nihāya, 1/326.

[37] ابن القيم،المنار المنيف، 1\76۔

Ibn al-Qayyim, al-Manār al-Munīf, 1/76.

[38] ابن الجوزى، الموضوعات 93/1؛ ابن كثير، البداية والنهاية، 326/1؛ ابن كثير، تفير القرآن العظيم، 123/3؛ ابن حجر العسقلانى، الزهر النضر في حال الخضر، ص 86؛ ابن الجوزى، اللآلي المصنوعة، (بيروت: دار الكتب العليمة)، 153/1۔

Ibn al-Jawzī, al-Mawḍūʿāt, 1/93; Ibn Kathīr, al-Bidāya wa-al-Nihāya, 1/326; Ibn Kathīr, Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm, 3/123; Ibn Ḥajar al-ʿAsqalānī, al-Zahr al-Naḍr fī Ḥāl al-Khiḍr, p. 86; Ibn al-Jawzī, al-Lāʾālī al-Maṣnūʿa (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyya), 1/153.

[39] القرآن الكريم، سورة الأنبياء 21: 35۔

The Qur'ān, Sūrat al-Anbiyāʾ 21:35.

[40] القرآن الكريم، سورة الكهف 18: 60۔

The Qur'ān, Sūrat al-Kahf 18:60.

[41] الطبري، جامع البيان، (بيروت: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، 1420 ھ) 18/56۔

al-Ṭabarī, Jāmiʿ al-Bayān (Beirut: Muʾassasat al-Risāla, 1st ed., 1420/2000), 18/56.

[42] القرآن الكريم، سورة الكهف 18: 62۔

The Qur'ān, Sūrat al-Kahf 18:62.

[43] أيضاً، 18: 65۔

ibid., 18:65.

[44] أيضاً، 18: 82۔

ibid., 18:82.

[45] أيضاً، 18: 69۔

ibid., 18:69.

[46] أيضاً، 18: 70۔

ibid., 18:70.

[47] أيضاً، 18: 76۔

ibid., 18:76.